

پیر فیصل محمد اسلم صاحب لاہور

عظیم آباد پٹنہ میں چار روز

خدا بخش لائبریری پر ایک نظر

میں ۲۳ اگست ۱۹۸۱ء کو نماز مغرب کے بعد پٹنہ پہنچا اور ریلوے اسٹیشن کے عقب میں کنکر باغ روڈ پر ہوٹل جسٹس میں قیام کیا۔ اگلے روز صبح ۹ بجے کے قریب میں خدا بخش اور نیٹیل پبلک لائبریری پہنچا۔ یہ لائبریری ریلوے اسٹیشن سے اندازہً دو میل کے فاصلہ پر پٹنہ یونیورسٹی کے قریب بانٹی پور میں واقع ہے۔ اس لائبریری کا شمار بھارت کی پانچ بڑی لائبریریوں میں ہوتا ہے۔ اس وقت اس لائبریری میں صرف مخطوطات کی تعداد پندرہ ہزار کے لگ بھگ ہے مطبوعات کا صحیح اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ اس لائبریری میں ایسے علمی و ادبی رسائل کی مکمل فائلیں موجود ہیں جن کے نام سے بھی بہت سے لوگ ناواقف ہیں۔

اس لائبریری کے بانی جسٹس خدا بخش مرحوم کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے اپنی عمر بھر کی کمائی کتابوں کے حصول پر صرف کر دی۔ حتیٰ کہ وہ آخری عمر میں بالکل کنکال ہو گئے تھے جسٹس خدا بخش نے اپنی وفات سے قبل اپنی لائبریری وقف کر دی اور حکومت بہار اس کی نگران بن گئی۔ آزادی کے بعد بھارتی پارلیمنٹ نے ایک خاص بل کی منظوری کے بعد اس لائبریری کو مرکزی حکومت کی تحویل میں دے دیا۔ اب اس لائبریری کو ۸۰ لاکھ روپے سالانہ گرانٹ ملتی ہے جس سے خرید کتب کے علاوہ عمارت میں توسیع بھی کی جا رہی ہے۔

میں نے لائبریری میں داخل ہوتے ہی استقبالیہ پر آغا عابد رضا بیدار کے بارے میں دریافت کیا۔ موصوف اردو زبان و ادب کے نامور ادیب اور اس لائبریری کے ڈائریکٹر ہیں۔ استقبالیہ کے اچھا رج نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے کام کر رہے ہیں۔ ان کا گھر اور دفتر لائبریری کے احاطے ہی میں ہے۔ میں ان کے گھر پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی انہوں نے اندر بلا لیا۔ میں نے اپنا نام بتایا تو فرمانے لگے۔

”دیکھئے اب مولانا اکبر آبادی کا نام نہ لیجئے گا۔ آپ کا نام ہی تعارف کے لئے کافی ہے“

آغا صاحب نے چائے سے تواضع فرمائی اور میرے ساتھ لائبریری تک آئے۔ انہوں نے میرا تعارف ڈپٹی ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن صاحب سے کر لیا اور ان سے کہا کہ مجھے جس کتاب کی ضرورت ہو وہ فوراً مہیا کی جائے۔

میں نے لائبریری کے اوقات پوچھے تو آغا صاحب نے فرمایا کہ یوں تو صبح ۹ بجے سے شام چھ بجے تک لائبریری

کھلی رہتی ہے۔ لیکن تجت تک دہاں بٹھینا چاہوں لائبریری کھلی رہے گی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن صاحب نے بہار کے شہرہ آفاق محدث علامہ شوق نیوی (متوفی ۱۳۲۵ھ) پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ نیوی پٹنہ سے دس گیارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ اور علامہ مرحوم وہیں کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف لائبریری کے عملہ سے کرایا۔ اور مجھے دارالمطالعہ میں بٹھا دیا۔ میری درخواست پر عملہ کے ایک رکن نے مجھے معارج الکمال کا خوبصورت مخطوطہ لا کر دیا۔ معارج الکمال اسماعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز کی تصنیف ہے اور اس کا کوئی دوسرا نسخہ میرے علم میں نہیں ہے۔ فاضل مصنف اکبری اور جہانگیری عہد کے نامور امیر نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کا مصاحب تھا۔ نواب موصوف کا حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ساتھ بڑا قریبی تعلق تھا۔ اور ان تینوں بزرگوں کی ان کے ساتھ خط و کتابت رہتی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جن درباری امراء کو اکبر کی بے دینی اور کجاد کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ نواب مرتضیٰ خان ان کے سرخیل تھے۔ معارج الکمال میں نواب موصوف کے بارے میں ایسی اہم معلومات ملتی ہیں جن کا ذکر آثار الامراء اور ذخیرۃ الخواص میں نہیں آیا۔ میں نے اس نادر مخطوطہ کی مدد سے نواب موصوف کی شخصیت اور کردار پر ایک مقالہ تیار کر کے ماہنامہ برہان دہلی میں چھپوایا ہے۔

اسی لائبریری میں "سیرت فیروز شاہی" کے عنوان سے ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ کسی لائبریری میں موجود نہیں۔ سیرت فیروز شاہی میں سلطان فیروز تغلق کے علاوہ محمد بن تغلق کے بارے میں بھی بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔ مصنف لکھتا ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کو باز پائے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ باز دیکھ کر یہ بتا دیا کرتا تھا کہ وہ پہاڑی علاقے کا رہنے والا ہے یا جنگل کا۔ نیز اس کی پیدائش اونچے گھونسلے کی ہے یا کسی شیبی علاقے کی۔ اس تصنیف سے سلطان فیروز شاہ تغلق کی اصلاحات اور غیر شرعی ٹیکسوں کی موٹوفی کے بارے میں بڑی اہم معلومات ملتی ہیں۔

اس لائبریری میں "تاریخ حبیبی" کے عنوان سے ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کا مصنف عبدالعزیز بن شیر ملک بن محمد وائلی۔ خواجہ عزیز اللہ محمد حسینی کا صحبت یافتہ تھا۔ تاریخ حبیبی کا سال تصنیف ۸۲۹ھ ہے اور اس میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز اور ان کے فرزندان اور خلفاء کے حالات درج ہیں۔ پروفیسر حسن عسکری

نے راقم الحروف کو بتایا کہ تاریخ جیبی کا اصل نسخہ چھوٹی درگاہ پھلواری شریف میں تھا۔ یہ اس کی نقل ہے۔ اصل نسخہ گم ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نقل کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔ دکن کے بہمنی سلاطین کو حضرت گیسو دراز اور ان کے جانشینوں کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کا ذکر بار بار تاریخ جیبی میں آتا ہے۔

میری درخواست پر آغا صاحب نے مجھے حضرت عین الدین عبدالباری شطاری المشتہر بہ شاہ رکن الدین کے ملفوظات مطالعہ کے لئے دئے۔ صاحب ملفوظات اورنگ زیب عالمگیر کے ہم عصر تھے۔ ان کے جبرامجد شاہ قاضی علاء شطاری کا شمار برصغیر پاک و ہند میں شطاریہ سلسلہ کے اساطین میں ہوتا ہے۔ شاہ قاضی کے فرزند حضرت ابو الفتح سرمست کو بہار میں بڑی مقبوسیت حاصل ہوئی۔ ہمایوں جب بہار آیا تو بڑی عقیدت کے ساتھ انہیں ملا۔ اور ان کی پالکی کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کی۔ ملفوظات کے اس مجموعہ میں اس عہد کے ایسے تاریخی واقعات آگئے ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتے۔ راقم الحروف نے ان ملفوظات کی اہمیت پر ایک مقالہ لکھا تھا جو ماہ نامہ المعارف لاہور میں چھپ چکا ہے۔

میں جس وقت لاہریری میں بیٹھا کام کر رہا تھا تو ایک مہسن بزرگ جن کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دارالمطالعہ میں داخل ہوئے۔ اور میرے بالمقابل میز پر بیٹھ گئے۔ دارالمطالعہ کے انچارج نے ایک مخطوطہ لاکر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اور وہ بزرگ اس کے مطالعہ میں محو ہو گئے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ بزرگ پروفیسر حسن عسکری ہوں گے۔ میں نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے ان کے بارے میں استفسار کیا۔ تو اس نے بتایا کہ وہ واقعی پروفیسر حسن عسکری ہیں۔ میں فوراً ان کے پاس گیا اور اپنا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ میں ان کے ایک شاگرد عباس بن عبدالقادر کا شاگرد ہوں۔ انہوں نے فوراً عباس صاحب کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ انہیں ایک طالب علم نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ پروفیسر صاحب نے فوراً پوچھا کہ وہ مرتے وقت بھی قادیانی ہی تھا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ عباس صاحب کی پھوپھی آنجہانی سارہ زوجہ مرزا بشیر الدین محمود، مرزا رفیع احمد کی ماں تھی۔

پروفیسر حسن عسکری ہر روز لاہریری میں تشریف لاتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے۔ ان کے توسط سے ایک آسٹریلوی نوجوان فادرپال حبکین سے ملاقات ہوئی۔ یہ نوجوان پٹنہ کے ایک مشن سکول (سینٹ ٹریوٹر) میں پڑھتا ہے۔ اور اردو بڑی روانی سے بولتا ہے۔ اس نے حضرت مخدوم شرف الدین بن یحییٰ منیری کے مکتوبات صدی کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو امریکہ میں چھپا ہے۔ ان دنوں وہ مخدوم صاحب کے ملفوظات، خوان پرنعمت

کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ میں نے بھی اس مخطوطہ کی زیارت کی۔ بلکہ ایک مطبوعہ نسخہ بھی مل گیا۔ جو مطبع احمدی ٹیپہ میں ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوا تھا۔ اسی لائبریری میں مخدوم صاحب کے ملفوظات۔ معدن المعانی کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی اہمیت پر الحق میں میرا ایک مقالہ طبع ہو چکا ہے۔

خدا بخش لائبریری میں حضرت محی الدین چشتی فخری المتخلص بہ محمدی ساکن سنگڑ من مضافات راولپنڈی کے ملفوظات حسن المجالس کا ایک نادر مخطوطہ محفوظ ہے۔ لے نواح راولپنڈی کے کسی ریسرچ اسکالر کو اس تصنیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہئے۔

میں مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک صاحب چائے کا ایک گلاس لے کر آئے۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ یہ چائے آغا صاحب نے بھیجی ہے۔ ساڑھے بارہ بجے آغا صاحب خود تشریف لائے۔ اور دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ کھانے پر حاضر کیا۔ ڈیڑھ بجے میں ان کے ساتھ کھانے کے لئے گیا اور لائبریری کے ایک کمرے میں نماز ظہر ادا کی۔ اور دوبارہ مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

چھ بجے لائبریری بند ہوتی تو میں اپنی قیام گاہ پر واپس آیا۔ نماز عصر کے بعد محفوظی دیر آرام کیا۔ مغرب کے وقت بارش شروع ہو گئی اس لئے میں باہر نہ جاسکا۔

اگلے روز صبح توبجے لائبریری پہنچا۔ آغا صاحب سے مل کر دارالمطالعہ میں آیا اور شیخ پھول شطاری کی تصنیف بحر الانوار مننگانی سے یہ مختصر سلسلہ شطاری سلوک پر ایک اہم تصنیف ہے۔ فاضل مصنف شیخ محمد غوث گوالیری کے بھائی اور ہمایوں بادشاہ کے مرشد تھے۔ ہمایوں کے ایک باغی بھائی مرزا ہندال نے انہیں دعوت کے بہانے محل میں بلا کر قتل کر دیا۔

تاریخ بنا کتی مصنف ابو سلیمان داؤد المعروف بہ فخر بنا کتی۔ تاریخ ابوالفخر خانی مصنفہ حافظ البخاری، ملخص بادشاہ نامہ از محمد طاہر آشنا اور صبح صادق مصنف صادق بن محمد صالح اصفہانی کے کی زیارت لندن میں کی تھی۔ اب دوبارہ انہیں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اخبار لا صفیاء کا مخطوطہ بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا تھا۔ اب دوبارہ اس لائبریری میں اس کی زیارت کی تھی۔

شیخ علی حزیں (متوفی ۱۱۸۰ھ) کی حقیقی تصانیف خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہیں انہی شاید ہی کہیں ہوں میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان سے استفادہ کرتا۔

۱۔ باب ماہ اکتوبر ۱۹۸۲ء ۲۔ مخطوطہ فارسی نمبر ۱۸۳ ۳۔ ایضاً نمبر ۲۹۹۲ ۴۔ ایضاً نمبر ۲ ۵۔ ایضاً نمبر ۱

۶۔ ایضاً نمبر ۱۲۳ ۷۔ ایضاً نمبر ۲۲ ۸۔ ایضاً نمبر ۱۸۶

اس روز دوبارہ آغا صاحب نے اصرار کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھلایا۔ میں نے ان سے کہا کہ بہت تواضع ہو چکی ہے اب سہ بارہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

لائبریری کے عجائب خانہ میں چند اہم نوادرات نائش کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک خط بھارت کے آنجنہانی صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کا ہے۔ یہ خط اردو میں لکھا ہوا ہے۔ اس لئے یہاں اس کا پورا متن دے رہا ہوں۔
مقام بھاگلپور - ۱۹ مئی ۱۹۴۲ء

مکرمی تسلیم! اتحاد کا پرچہ ملا۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے میں کر رہا ہوں۔ اس وقت لوگوں میں ہمت لانے کی ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایسے نظام کی جو ان کے مصیبت کے وقت کام آوے۔ اس بنیاد پر میں دوس سے دورہ کر کے لوگوں کو آمادہ ہونے کو کہہ رہا ہوں۔ امید ہے کہ سب لوگوں کا خیال مبذول ہو گا۔ اور وقت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش میں سب کامیاب ہوں گے۔

نیازمند:- راجندر پرشاد

ڈاکٹر راجندر پرشاد کا خط منشیانہ تھا اور اس خط میں عربی و فارسی کے الفاظ قابل غور ہیں۔
مولانا محمد علی جوہر نے بیجا پور جیل سے ایک غزل لکھ کر کسی دوست کو بھیجی تھی۔ یہ پوری غزل ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک شوکیں میں موجود ہے۔ اس غزل کا مطلع و مقطع یوں ہے:-

بے خوف غیر دل کی اگر تہ جہاں نہ ہو بہتر ہے اس سے یہ کہ سرے سے زباں نہ ہو
جو ہر اس ایک دل کے لئے اتنے مشغلے کی ہے خدا کی چاہ تو عشق بستیاں نہ ہو
ایک شوکیں میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ۲۵ دسمبر ۱۹۰۶ء کا تحریر کردہ ایک خط رکھا ہوا ہے۔ ان دنوں مولانا کسی اخبار کے عملہ میں شامل تھے۔ مولانا نے ملک اخبار سے ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ کا مطالبہ کیا تھا۔ راقم کے پاس اس خط کا عکس موجود ہے۔

اگلے روز آغا صاحب نے لائبریری کے مال میں نماز مغرب کے بعد تلفوظات لٹریچر کی اہمیت کے موضوع پر میرا لیکچر رکھ دیا۔ پٹنہ یونیورسٹی اور مدرسہ شمس الہدی میں اس کی اطلاع کر دی۔ آغا صاحب کی فرمائش پر فادر پال جیکسن نے اس تقریب کی صدارت کی اور صدارتی خطبہ بھی دیا۔

لیکچر کے بعد آغا صاحب نے چیدہ چیدہ بہانوں کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ اس لیکچر کا چرچا اگلے روز علمی حلقوں میں ہوا۔ میں لائبریری میں مصروف مطالعہ تھا کہ پٹنہ یونیورسٹی کے فارسی کے پروفیسر خواجہ افضل امام تشریف لائے۔ اور اپنی ایک تالیف ”دیوان فائزہ اعنانت کی۔ سید حسن پٹنہ یونیورسٹی کے فارسی کے پروفیسر رہ چکے ہیں انہوں نے دیوان صابن ہروی مرتب کیا ہے۔ موصوف نے میرا لیکچر تو نہیں سنا لیکن لوگوں سے اس کا چرچا ضرور سنا

تو مبارک باد دینے آئے۔ میرے پاس دیوانِ صادق کا ایک نسخہ موجود تھا جو مجھے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی نے عطا کیا تھا۔ میں نے سید حسن صاحب سے ایک کاغذ پر دستخط کرائے اور لاہور آکر اس دیوان پر اسے چپکا دیا۔

اگلے دن میں وقت نکال کر یونیورسٹی گیا۔ شعبہ تاریخ میں ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کی تصنیف ”ہندوستان میں وہابی تحریک“ کراچی سے طبع ہو چکی ہے۔ موصوف کا نسب تعلق علامہ صادق پور سے ہے جنہوں نے صدق دلی کے ساتھ حضرت سید احمد بریلویؒ کا ساتھ دیا۔ اسی روز شام کے وقت مدرسہ شمس الہدیٰ میں ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ میں قدیم اور جدید دونوں طرح کے علم پڑھائے جاتے ہیں۔ عصر اور مغرب کی نمازیں مدرسے کی مسجد میں ادا کیں۔ مسجد کے ایک گوشے میں حبش شمس الہدیٰ کی قبر ہے۔ ایک استاد نے مجھے بتایا کہ حج صاحب ایک بار کسی گاؤں میں اپنے کسی عزیز کی ناز جنازہ میں شرکت کی غرض سے گئے۔ اتفاق سے وہاں کسی کو بھی ناز جنازہ یاد نہ تھی۔ حج صاحب نے مسلمانوں کی دین سے یہ غفلت دیکھ کر مدرسہ قائم کیا۔ تاکہ مسلمان طلبہ جدید علوم کے ساتھ علوم اسلامیہ اور مسائل شریعت سے بھی واقفیت حاصل کریں۔ مدرسہ شمس الہدیٰ کا شمار بہار کے عظیم مدارس میں ہوتا ہے۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر مختار الدین آرزو صاحب کے والد بزرگوار ملک العلام ظفر الدین بہاری صاحب ”صحیح بہاری“ بھی اس مدرسہ کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

پٹنہ میں قیام کے آخری دن میں وقت نکال کر پھلواری شریف گیا۔ یہ علمی اور روحانی بستی پٹنہ سے چار پانچ میل دور ہوگی۔ پٹنہ ریلوے اسٹیشن سے بسیں اور کچے پھلواری تک جاتے آتے رہتے ہیں۔ جس وقت میں پھلواری پہنچا تو ہر طرف کیچڑ ہو رہا تھا۔ گلیوں اور بازاروں سے گزرنا مشکل تھا۔ میں پوچھتے پوچھتے خانقاہ سلیمانہ پہنچا لیکن اب وہاں کون تھا؟ شاہ غلام حسنین فوت ہو چکے تھے۔ ان کے فرزند ریحان شاہ کراچی منتقل ہو چکے تھے۔ شاہ غلام حسنین کی بیوہ اور ایک بیٹی اب تک وہیں ہیں۔ شاہ سلیمان اور جعفر شاہ پھلواری کی جمع کردہ کتابیں دیوبند کی نظر ہو رہی ہیں۔ پھلواری کے ہر پڑھے لکھے شخص کو ان کتابوں کی تلفی کا رنج تھا۔ شاہ سلیمان اور ان کے جانشین شاہ غلام حسنین بستی کے مشرقی کنارے پر سنگی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں۔ اس مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب سید احمد بریلویؒ پھلواری تشریف لائے تو ان کا قیام اسی مسجد میں تھا۔ مسجد کی دیواروں پر ایسے پتھر نصب ہیں جن پر آیات قرآنی منقوش ہیں۔

شاہ سلیمان ۲۰ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے۔ ان کا مزار ان کے ایک مرید ساکن جہلم نے تعمیر

کرایا تھا۔ شاہ غلام حسنین نے ان کے سوانح حیات قائم سلیمان کے نام سے قلم بند کئے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی ریسید الطائفہ حاجی امروا شہر مہاجر مکی اور اپنے سر شاہ محمد علی حبیب ابو نصر سے فیض ملا تھا۔ ان کے اساتذہ میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔ جناب احمد علی سہارنپوری اور مولانا عبدالحی فرنگی محل جیسے بزرگ قابل ذکر ہیں۔

پھلواری شریف کی شہرت خانقاہ مجیبیہ کی وجہ سے ہے۔ خانقاہ سے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے۔ جہاں مقامی اور بیرونی طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ ایک پرانی طرز کی مسجد اور اس سے ملحق ایک گنبد قابل دید ہیں۔ اس گنبد میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومنے مبارک رکھا ہوا ہے جس کی خاص خاص موقعوں پر زیارت کرائی جاتی ہے۔ خانقاہ مجیبیہ کی مسجد کے دروازے پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد صد سال گشت چوں پہنچتے مسجد خانقاہ بایں ترتیب
سال اوگفت ہاتھی از حق مسجد خانقاہ پر مجیب

خانقاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر شاہ محمد مجیب کی درگاہ ہے۔ شاہ صاحب اور ان کی اہلیہ ایک گنبد کے نیچے جو خواب ابدی ہیں۔ ان کی لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

عشق آنست کند نام و نشانم باقیست
سگر یہ فانی شدہ ام ذکر و بیانم باقیست

شاہ محمد مجیب، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں ۱۰۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے سید محمد وارث رسول نما بنا رسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے ان کا انتقال ۱۱۹۱ھ میں ۹۳ برس کی عمر میں ہوا۔ شاہ محمد نور الحق مجیبی تپاں نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے جو درگاہ شریف کے ایک پتھر پر کندہ ہے۔

نوشت از خط نورایں دو کلمہ رارضوان بسال رحلت شیخ زمان بیاب بہشت
ز بخت تیرہ شکایت مکن تپاں نہ ہار کہ مہر روئے مجیب است آفتاب بہشت

حضرت شاہ محمد مجیب کی درگاہ سے متصل ایک دالان کے اندر کئی قبریں ہیں ان میں سے شاہ محمد جعفر پھلواری کے نانا ابو نصر محمد علی حبیب (متوفی ۱۲۹۵ھ) ان کے فرزند شاہ محمد عبدالحق اور شاہ محمد شعیب کی قبریں خاص طور پر

۱۔ شاہ صاحب کے نام میں رحل بغیر الف م کے ہے۔

نمایاں ہیں۔ ابو نصر صاحب کی قبر کے سرہانے جو کتبہ نصب ہے وہ بدرالدین قادری صاحب کا نتیجہ فکر ہے۔ اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

چوں بفر دوس رفت مرشد ما
از تپ بجز اوست دل بریاں
سن میلاد و جانشینی و سر
با وصالش کنم بخلق بیاں
شدہ شمس الفصحی سن میلاد
وارث ثانی جانشینی وال
وصل اوشد بعین ذات پنی
عدد عمر آل دلی بر خواں
ابو نصر محمد علی حبیب کے فرزند شاہ عبدالحق کی قبر کے سرہانے دیوار پر ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ اشعار

کندہ ہیں۔

عبدالحق ست پور محمد علی حبیب
آں عبد نیک ہر نفس از روح پاک نصر
بعد از حصول علم چو شد ساک طریق
خاک در شش مردم چشنام آرزوست
گفتے کہ سیر گلشن عرفانم آرزوست
گفت از رسول سایہ دامانم آرزوست
گفتا کہ وصل خالق ایمانم آرزوست
میکفت از خدا کہ یک امانم آرزوست
از ابتدا بدیدہ حیرانم آرزوست
بہر وصال آنہم سامانم آرزوست
عبدالحق ست پور محمد علی حبیب
آں عبد نیک ہر نفس از روح پاک نصر
بعد از حصول علم چو شد ساک طریق
آں چو زیر سایہ دامان مصطفی
حیرت چو وقت وصل خدا شد قریب تر
آیند چار بار و رسولم بوقت نزاع
حیرت عجب مکن کہ بقول جناب نصر

۱۳۰۲ھ

(نتیجہ فکر مولوی کبیر احمد حیرت پھلواری)

درگاہ پر حبیب سے نکل کر میں امارت شریعہ صوبہ بہار کا دفتر دیکھنے گیا وہاں قاضی مجاہد الاسلام صاحب سے ملاقات ہوئی گذشتہ سال دیوبند کے جشن صد سالہ پران سے تعارف ہوا تھا ان کے پاس نقیب کا ایک شمارہ پڑا تھا اس میں میراج بھی ایک مضمون تھا۔ قاضی صاحب نے مجھے رکھنے کو کہا۔ ان کی عادت میں خلع کا ایک مقدمہ پیش ہونے والا تھا۔ قاضی صاحب نے مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کے لئے کہا۔ مگر میں نے عدم فرصت کا عذر پیش کیا اور پٹنہ روانہ ہو گیا۔

آغا صاحب نے مجھے نصرت کرتے ہوئے خدا بخش لائبریری میں محفوظ عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی مکمل فہرست عنایت فرمائی اور خدا بخش اور ٹیل سبک لائبریری کے جنرل کا مکمل سیٹ بھی دیا۔ میں پٹنہ میں شاد و عظیم آبادی کی قبر اور خانقاہ عمادہ دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن بارش کی وجہ سے وہاں نہ جاسکا۔ ۲۰ اگست کی شام کو میں سمون بدرہ ایکسپریس میں سوار ہو کر اگلے روز صبح ۹ بجے علیگڑھ پہنچ گیا۔

(باقی)